۲۷۔نووی شرف الدین یحیٰ، شرح صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶ء، ص ۳۲۹، ج: دوم
۲۸۔قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ء، ص ۳۳۰، ج: دوم
۲۹۔قرآن حکیم، سورۂ نحل (۱۶)، آیت: ۴۰
۳۰۔ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ۔ ص ۳۳، ج: اول
۳۱۔شاشی نظام الدین، اصول الشاشی، ملتان، مکتبہ امدادیہ، ص: ۸
۳۲۔ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ۔ ص ۳، ج: دوم
۳۳۔حوالہ بالا
۳۴۔قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ء، ص ۳۳۰، ج: دوم
۳۵۔بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱، ص: ۸۵۰، ج: دوم
۳۶۔قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ء، ص ۳۳۳، ج: دوم
۳۷۔ابو حفص عمر بن عثمان بن شاهین، ناسخ الحدیث و منسوخہ، الزرقاء، مکتبۃ المنار، ۱۹۸۸، ص: ۴۸۷
۳۸۔قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶ء، ص ۳۳۸، ج: دوم
۳۹۔قرآن حکیم، سورۂ بقرہ (۲)، آیت: ۱۹۵
۴۰۔عسقلانی احمد بن حجر شہاب الدین، فتح الباری، مکہ مکرمہ، مکتبۃ الثقافۃ، ۱۳۹۳، ص: ۱۳۱، ج: دوم
۴۱۔قرآن حکیم، سورۂ بنی اسرائیل (۱۷)، آیت: ۳۶
۴۲۔ابو عبداللہ احمد بن محمد حنبل شیبانی امام، مسند احمد، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۹۹۱، ص: ۱۳۶، ج: اول
۴۳۔قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۵۶، ص: ۳۲۹، ج: دوم
۴۴۔نووی شرف الدین یحیٰ، شرح صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶، ص: ۳۲۹، ج: دوم
۴۵۔ابن مالک انس بن مالک امام، موطا، کراچی، نور محمد، ص: ۳۹۹
۴۶۔نسائی احمد بن شعیب ابو عبدالرحمن، سنن نسائی، اسلام آباد، وفاقی وزارت تعلیم، ۱۹۸۷، ص: ۲۴۰، ج: اول
۴۷۔قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶، ص: ۲۸۸، ج: اول
۴۸۔بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱، ص: ۷۷۷، ج: دوم
۴۹۔قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶، ص: ۳۱۸، ج: دوم
۵۰۔بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱، ص: ۳۲۸، ج: اول
۵۱۔قشیری مسلم بن حجاج امام المحدثین، صحیح مسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۵۶، ص: ۲۴۳، ج: دوم
۵۲۔بخاری محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۹۶۱، ص: ۸۴۳،۳۵، ج: دوم
۵۳۔ابو عیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی، ملتان، فاروقی کتب خانہ۔ ص: ۷۳، ج: دوم
۵۴۔حوالہ بالا

☆☆





# تقویمات اور قدرتی مظاہر

محمد شاہد قریشی
نگران و اسسٹنٹ پروفیسر
انسٹیٹیوٹ آف اسپیس اینڈ پلانیٹری ایسٹروفزکس
جامعہ کراچی، کراچی

دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کا حساب رکھنے کے نظام کو تقویم کہا جاتا ہے(1)۔ ایک دن، ایک مہینہ اور ایک سال ایسے دورانیے ہیں جن کا براہ راست تعلق ارض و سماء کی گردشوں سے ہے لہٰذا وقت کی ان اکائیوں کا حساب کتاب رکھنے کے لئے ارض و سماء کی گردشوں کو سمجھنا اور اس کی پیمائش مکمل صحت اور درستگی کے ساتھ کرنا ایک اہم تقویمی مسئلہ ہے۔ چاہے روز مرہ معمولات کا سلسلہ ہو یا انجانی بار یک سائنسی معاملات ہوں صحت اور درستگی کا کوئی نہ کوئی معیار متعین کرنا ضروری ہوتا ہے۔

ایک عام فرد کے لئے صرف دنوں کے شمار کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ ایک دن کا دورانیہ ایک طلوع (یا غروب) آفتاب سے اگلے طلوع (یا غروب) آفتاب کو متعین کرے مگر کسی زیادہ دقیق مسئلہ کے لئے یہ دورانیہ معیار نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک طلوع آفتاب سے اگلے طلوع آفتاب تک کے دورانیے میں تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے اور یہ تبدیلی ایک سے دوسرے دن تک منٹوں میں ہوتی ہے اور ایک ماہ سے دوسرے ماہ تک ایک گھنٹے سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے چنانچہ ایک دن کے دورانیے کے لئے طلوع آفتاب سے اگلے طلوع آفتاب تک معیار نہیں ہو سکتا۔

ایک نصف النہار (یعنی دوپہر کا وقت جب سورج آسمان پر بلند ترین ہوتا ہے) سے دوسرے نصف النہار تک کا دورانیہ مقابلتاً بہتر معیار ہو سکتا ہے جبکہ اس دورانیے میں ایک دن سے اگلے دن تک صرف چند سیکنڈوں کا فرق پڑتا ہے اور یہ دورانیہ ہر روز لگ بھگ چوبیس گھنٹے کا ہوتا ہے۔ اس دورانیے کو ایک شمسی دن (solar day) کہا جاتا ہے(2)۔ مگر وقت کا ایسا حساب کتاب جس میں ایک سیکنڈ کی غلطی بھی بہت اہم ہو سکتی ہے ایسے معاملات میں اس دورانیے کو بھی معیار مقرر نہیں کیا جا سکتا۔

اب ایک عام انسان کے لئے نئے دن کا آغاز طلوع آفتاب کے معیار پر ہی ہو سکتا ہے مگر آج عام زندگی کے بہت سے معمولات سے لے کر گہرے سائنسی معاملات تک دن کے آغاز کے لئے لمحے کا تعین ایک زیادہ غور طلب مسئلہ ہے۔

ایک دن کے دورانیے کے معیار پر یہ بحث اس لئے کی گئی ہے کہ تقویم کے لئے مشاہدات اور فکری گہرائی کی ضرورت کو عیاں کیا جا سکے۔ تقویم کے تعین کے لئے یہ بات اہم ہے کہ کوئی دن، کوئی مہینہ اور کوئی سال کس وقت شروع کیا جائے؟ مہینہ کا آغاز اور سال کا آغاز ہی تقویم کے اصل مسائل تصور کیے جاتے ہیں جبکہ عام طور پر دن کے آغاز کے تعین پر کوئی سوال نہیں اٹھایا جاتا۔ حالانکہ ایک دن کے آغاز کے تعین کی اہمیت بھی اتنی ہی غور طلب ہے جتنی کہ ایک مہینہ یا ایک سال کے آغاز کے تعین کی۔

آج کے معلوم علوم کے مطابق گردش سماوی درحقیقت ہمارے سیارے زمین یا کرۂ ارض ہی کی گردشوں کا مظہر ہے۔ زمین کی گردشیں دو اقسام کی ہیں۔

(۱) زمین کی اپنے محور کے گرد گردش:

اس گردش کی وجہ سے ہمیں سطح زمین سے آسمان کے مشاہدے کے دوران آسمان اور آسمان میں موجود تمام اجرام بشمول چاند (جب وہ نظر آ رہا ہو) سورج، سیارے اور ستارے مشرق سے طلوع ہو کر مغرب کی جانب محو سفر نظر آتے ہیں اور بالآخر مغرب میں غروب ہو جاتے ہیں یوں زمین کی اپنے محور کے گرد ایک مکمل گردش یا آسمان کی ہمارے گرد ایک مکمل گردش ایک دن کہلاتی ہے یہ دورانیہ سالانہ اوسط کی بنیاد پر متعین کیا گیا ہے اور تمام معاشی اور معاشرتی معاملات میں یہ چوبیس گھنٹہ کا ہوتا ہے اور تکنیکی اعتبار سے ایک اوسط شمسی روز (Mean solar day) کہلاتا ہے (2)۔ گذشتہ صدی تک تمام سائنسی معاملات میں یہ دورانیہ وقت کی بنیادی اکائی سمجھا جاتا تھا البتہ گذشتہ چوتھائی صدی سے وقت کی اکائیوں کی اساس جدید نظریہ اضافیت کی وجہ سے ایٹمی وقت سے منسلک کر دی گئی ہے اور اوسط شمسی وقت کو ایٹمی وقت کے معیار پر وقتاً فوقتاً ایک "لیپ سیکنڈ" کے اضافہ کے ذریعے درست کیا جاتا ہے (3)۔ اگر کوئی فرد واحد یا کوئی قوم وقت کے ان معیارات کے علم سے بے بہرہ ہے تو جان لیجئے کہ وقت کی کوئی ڈور بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہ سکتی۔

فلکیاتی اعتبار سے دن کا آغاز اوسط شمسی وقت دن کے بارہ بجے سے کیا جاتا ہے اور تمام حسابات میں چاہے ان کا تعلق نظریات سے ہو یا مشاہدات اور تجربات سے دنوں کی گنتی و شمار اسی وقت سے کیا جاتا ہے (2)۔ البتہ سول (Civil) مقاصد کے لئے دن کا آغاز اوسط شمسی وقت کے مطابق





رات بارہ بجے سے کیا جاتا ہے اور اس لمحے کو صفر گھنٹہ (Zero hour) کہا جاتا ہے۔ رائج شمسی تقویم میں بھی دن کا آغاز اسی لمحے یعنی نصف شب سے کیا جاتا ہے (2)۔ تمام ممالک میں رائج معیاری وقت کا آغاز بھی اسی لمحے سے کیا جاتا ہے۔ عرض البلد کے پندرہ درجوں کے فرق سے دنیا کو چوبیس زونوں (Zones) میں تقسیم کر دیا گیا ہے چنانچہ ہر پندرہ درجہ عرض البلد کے فرق پر معیاری زون وقت (Zone time) میں ایک گھنٹہ کا فرق متعین کر دیا گیا ہے۔ ہر دو مسلسل زونز میں نصف شب کا لمحہ ایک گھنٹہ کے فرق سے آتا ہے جب وہاں تاریخ تبدیل ہوتی ہے۔ کرۂ ارض کے شرقی زونز میں تاریخ کی تبدیلی مغربی زونز سے پہلے واقع ہوتی ہے۔

(۲) زمین کی دوسری گردش:

زمین کی دوسری گردش سورج کے گرد اپنے مدار میں سفر ہے۔ عام طور پر ہم زمین کی سورج کے گرد ایک مکمل گردش کے دورانیے کو ایک سال کہتے ہیں البتہ اس دورانیے کے درست تعین کے نہ ہونے کی وجہ سے شمسی تقویم میں ایک اہم سقم پایا جاتا ہے۔ دو ہزار برس قبل جولین تقویم (Jolian Calendar) کی ابتدا یونانی بادشاہ جولیس سیزر کے زمانے سے ہوئی اس میں شمسی سال کا تعین 365.25 روز کیا گیا (4)۔ اور یہ طے پایا کہ وہ برس جو 4 چار پر مکمل تقسیم نہیں ہوتا 365 روز کا ہوگا وگرنہ 366 دن کا ہوگا لہٰذا ہر صدی میں پچیس برس 366 دن کے (لیپ کے سال) اور 75 برس 365 دن کے ہوتے مگر 1582ء میں اس جولین تقویم کو گریگورین تقویم (Gregorian Calendar) سے بدل دیا گیا۔ گریگورین تقویم میں شمسی سال کا دورانیہ 365.24 دن ٹھہرا اور یہ طے پایا کہ چار سو برسوں میں 100 لیپ کے سالوں کی بجائے 97 لیپ کے سال ہوں گے۔ لیپ کے سال کے عام اصول کے علاوہ وہ برس جس میں اکائی اور دہائی کے ہندسے صفر ہوں (یعنی 1700,1800,1900,2000 وغیرہ) اگر وہ چار سو پر تقسیم نہ ہوتے ہوں تو یہ 365 دن کے ہوں گے وگرنہ 366 دن کے۔ مگر شمسی تقویم کے اس ارتقائی مرحلہ میں تقویم سے دس دن مکمل طور پر حذف کر دیئے گئے اور جمعرات 4 اکتوبر 1582ء کے بعد اگلے روز یعنی جمعہ کی تاریخ 15 اکتوبر 1582ء مقرر ہوئی (4-5)۔ مختلف ممالک اور معاشروں نے اس تبدیلی کا مختلف ادوار میں اطلاق کیا۔ چنانچہ شمسی تقویم کے اس سقم کی وجہ سے مختلف تواریخ میں تاریخوں کا تقابل آج بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔

رائج شمسی تقویم یعنی گریگورین تقویم میں نئے برس کا آغاز 31 دسمبر اور یکم جنوری کی درمیانی شب اوسط شمسی وقت کے مطابق رات بارہ بجے کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ دن اور رات کی طوالت کے اعتبار سے جو تبدیلیاں روز بروز مختلف موسموں میں ہوتی رہتی ہیں ایک معیار ابتدا وہ دن بھی ہو سکتا ہے جس دن، دن اور رات کی طوالت برابر ہوتی ہے۔ اس دن کو eqvinox کہا جاتا ہے (2) مگر ایک سال میں ایسے دو دن ہوتے ہیں ایک لگ بھگ 21 مارچ (Spring Equinox) اور دوسرا لگ بھگ 21 ستمبر (Automal Equinox) کو۔ اس اعتبار سے اگر سال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے یعنی ایک 21 مارچ سے 20 ستمبر (جس دوران دن کی طوالت

رات کی طوالت سے زیادہ ہوتی ہے) اور دوسرا 21 ستمبر سے 20 مارچ تک۔ تو رائج شمسی تقویم میں ایک غیر لیپ سال میں سال کے پہلے نصف میں 184 اور دوسرے نصف میں 181 دن ہوں گے (جبکہ لیپ سال میں پہلے نصف میں 184 اور دوسرے نصف میں 182 دن ہوں گے)

اس طرح کے دو نصف سالوں کی طوالت کا یہ فرق اس بات کو واضح کرتا ہے کہ آسمان کی سالانہ گردش (یا زمین کی سورج کے گرد مداری گردش) کی رفتار یکساں نہیں ہے۔ مارچ سے ستمبر کے دوران یہ گردش سست روی کا شکار رہتی ہے جبکہ ستمبر سے مارچ کے دوران اس میں تیزی رہتی ہے۔ شمسی تقویم میں مہینوں کے دنوں کی تعداد کے تعین کا تعلق اسی فرق سے ہے اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث کے لئے ایک مکمل مضمون درکار ہوگا۔

زمین کی ان دو مختلف گردشوں "محوری گردش" اور "مداری گردش" کی بناء پر ایک دن کے دورانیہ اور ایک برس کے دورانیہ کے تصورات صدیوں ارتقائی مراحل سے گزر کر آج جس مقام پر ہیں اس کے پس منظر میں انتہائی گہری ریاضیاتی، طبیعیاتی، فلکیاتی، نظریاتی اور مشاہداتی کاوشوں کا سمندر موجزن ہے۔

اگر آج (خدانخواستہ) نسل انسانی کسی ایسے حادثے کا شکار ہو جائے کہ علم اور ٹیکنالوجی محفوظ نہ رہے اور انسانوں کی ایک قلیل تعداد زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لئے بچ جائے تو اس کے لئے تقویم کے حساب کتاب کے لئے صرف وہی فلکیاتی اور قدرتی مظاہر موجود ہوں گے۔ سورج کا طلوع (غروب) یا نصف النہار اور چاند کی گھٹتی بڑھتی شکلیں اور ان کا دورانیہ !!!

دراصل علم کی تاریخ اور اس کے ارتقاء کے ابتداء میں بھی تقویمی معاملات میں یہی دو قدرتی مظاہر انسانیت کے راہنما تھے۔ انگریزی لفظ month یعنی مہینہ کا مخرج لفظ moon یعنی ماہتاب ہے۔ چنانچہ ہر قدیم تہذیب اور تمام قدیم مذاہب میں اولاً تقویمات کی اساس چاند کی گردش رہی ہے۔ وہ تقویمات جن کی اساس چاند کی گردشیں ہیں قمری تقویم (LUNAR CALENDARS) کہلاتی ہیں۔ البتہ ہر قمری تقویم میں شمسی تقویم کی طرح ایک برس بارہ ماہ پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔

چاہے قمری تقویم ہو چاہے شمسی، 12 ماہ کے رواج کا براہ راست تعلق زمین کی سورج کے گرد مدار میں گردش ہے۔ مگر کسی قدیم تہذیب میں زمین کی سورج کے گرد گردش کا تصور براہ راست موجود نہیں تھا۔ ہاں گردش سماوی کے دو مختلف پہلو قدیم ترین فلکیات دانوں اور عام مشاہدین کے لئے بالکل عیاں تھے۔

آسمان کی ایک گردش وہ ہے جس کی بناء پر آسمان پر موجود تمام اجرام مشرق کی جانب سے طلوع ہو کر آسمان پر مغرب کی طرف سفر کرتے ہوئے مغربی افق پر غروب ہوتے نظر آتے ہیں۔ مگر آسمان





کی سالانہ گردش بھی باریک بین مشاہدین کے لئے بالکل واضح تھی۔ اس گردش کا اندازہ اس مشاہدے سے آج بھی باآسانی لگایا جا سکتا ہے کہ ستاروں کے وہ جھرمٹ جو سردیوں کے موسم میں صبح طلوع آفتاب سے پہلے مشرقی آسمان پر طلوع ہوتے ہیں وہی جھرمٹ بہار کے موسم میں نصف شب کے وقت مشرقی آسمان پر طلوع ہوتے ہیں۔ پس سردی کے موسم کے عین وسط سے بہار کے موسم کے عین وسط تک آسمان 90 درجے مغرب کی جانب گردش کر چکا ہوتا ہے۔ چونکہ سورج بھی آسمان ہی کا ایک حصہ ہے لہٰذا وہ بھی آسمان کے ساتھ لگ بھگ تین مہینوں میں 90 درجے مشرق سے مغرب کی جانب گردش کر چکا ہوتا ہے۔

اس سالانہ گردش سماوی کی بنیاد پر ماہرین نجوم نے آسمان کی 12 منزلیں یا برج zodaic مقرر کر دیے ہیں(4)۔ ہر منزل 30 درجے پر مشتمل ہے اور سورج ہر منزل میں تقریباً ایک ماہ سفر کرتا ہے۔ ستاروں کے جھرمٹوں کے طلوع اور غروب کے سالانہ حساب کتاب سے ہی اولاً یہ اندازہ لگایا گیا کہ آسمان کی یہ گردش 365 دنوں میں مکمل ہوتی ہے۔ حسابات کی صحت اور درستگی کے معیار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ پہلے اس سالانہ گردش سماوی کا دورانیہ 365.25 دن مقرر ہوا اور شمسی تقویم میں لیپ کے سال کا تصور آیا۔ بعد ازاں یہ دورانیہ 365.24 دن مقرر ہوا اور موجودہ گریگورین شمسی تقویم کا رواج ہوا۔(4)

بابل اور اس سے بھی قدیم تہذیبوں میں یہ تصور موجود تھا کہ بارہ قمری مہینوں کا دورانیہ ایک شمسی سال کے دورانیہ سے تقریباً دس روز کم ہے اسی وجہ سے خالص قمری تقویم اور خالص شمسی تقویم کے علاوہ ہمیں تاریخ میں "قمر شمسی تقویم" (LUNI-SOLAR CALENDAR) بھی ملتے ہیں اس قسم کی تقویم میں قمری تقویم کو شمسی تقویم کے برابر رکھنے کے لئے دس یا گیارہ دنوں کا ایک تیرہواں مہینہ شامل کر لیا جاتا تھا(1) اس قسم کی ایک اور تقویم میں بارہ مہینوں کے تین قمری سال گزرنے کے بعد چوتھے قمری سال میں ایک مکمل قمری مہینے کا اضافہ کر کے 13 قمری مہینوں کا ایک قمری سال بنا لیا جاتا تھا۔ اس اضافی قمری مہینے کو آپ ایک قمری لیپ مہینہ کہہ سکتے ہیں۔(4)

شمسی تقویم کے ارتقاء کے سلسلے میں آسمان کی سالانہ گردش کا ذکر کیا گیا، اس سے عیاں ہوتا ہے کہ کرۂ ارض پر کسی بھی مقام پر موسموں کی تبدیلی ایک دوری (periodic) مظہر ہے اور تمام موسموں کی تبدیلی کا ایک مکمل دور (period) ہی دراصل ایک شمسی سال ہے۔ انسانی تاریخ میں زراعت اولاً سب سے اہم معاشی اور معاشرتی معاملہ رہا ہے اور انسانی معاشرت میں مختلف موسم مختلف اہم معاملات سے منسلک رہے ہیں۔ اسی بناء پر موسموں کی تبدیلی کا ایک مکمل دورانیہ تقویمات کیلئے اہمیت اختیار کرتا چلا گیا۔ خالص قمری تقویم موسموں کے دورانیہ سے آزاد ہونے کی وجہ سے معاشی اور معاشرتی معاملات سے دور ہوتی چلی گئی۔ قمر شمسی تقویم (ہر سال دس گیارہ دنوں کے اضافی تیرھویں مہینے یا ہر چار سال بعد ایک

مکمل اضافی تیرھویں مہینے کی ضرورت کی پیچیدگی کی وجہ سے) عام استعمال میں زیادہ عرصہ رائج نہ رہ سکی۔

مختلف مذاہب اور ادیان نے انسانی معاشرت پر جو گہرے اثرات مرتب کیے ان میں سے ایک تقویم بھی ہے۔ تقویم کے معاملات اسی وجہ سے مذاہب اور ادیان کے رہنماؤں اور علماء کے کنٹرول میں رہے ہیں۔ یا تو یہ راہنمایان مذاہب خود علم نجوم کے ماہر تھے یا انہوں نے وقت کے عظیم ماہرین نجوم کی خدمات حاصل کیں۔ مگر یہ طے ہے اور درج بالا بحث سے بھی واضح ہو چکا ہے کہ چاہے شمسی تقویم کے معاملات ہوں یا قمر شمسی تقویم کے تقویمی معاملات عمومی طور پر ماہرین نجوم کی مہارت کے تابع رہے ہیں۔

گزشتہ بحث سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ خالص قمری تقویم مشاہداتی اعتبار سے ایک عام انسان کو ماہرین نجوم کے اتباع سے آزاد کر دیتی ہے۔ کیونکہ دنوں کا شمار طلوع یا غروب آفتاب سے اور مہینوں کا شمار چاند کی گھٹتی بڑھتی شکلوں کے دورانیے سے کرنا ہر عام انسان کی دسترس میں ہے۔ علم ٹیکنالوجی اور باریک حساب کتاب کی اہلیت ہو یا نہ ہو یہ دونوں قدرتی مظاہر انسانیت کے لئے راہنمائی کرتے رہیں گے۔ خالص شمسی تقویم کی طرح نہ تو قمری تقویم سے کچھ تاریخوں کو مکمل طور پر حذف کرنے کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ ہی قمر شمسی تقویمات کی طرح آدھے پونے اضافی مہینہ کی ضرورت ہے۔

اس مضمون میں ہم نے تقویم سے متعلق بنیادی فلکیاتی مظاہر پر مختصر گفتگو پیش کرتے ہوئے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ تقویم کے معاملات کی اساس کیا ہے؟ اور خالص شمسی تقویم کی اہمیت کیا ہے؟ یا قمر شمسی تقویم کی پیچیدگیوں کے مختلف پہلو کیا ہیں؟ اسی تناظر میں تقویم کا ماہرین علم نجوم کے تابع رہنا اور ایک عام انسان کے لئے خالص قمری تقویم کی افادیت یہ دونوں پہلو واضح کر دیئے ہیں۔ اسی سلسلے کے اگلے مضمون میں انشاء اللہ قمری تقویم کے فلکیاتی پہلوؤں، تاریخ اور جدید فلکیاتی نظریات پر سیر حاصل بحث پیش کی جائے گی۔

## کتابیات

1- Dogget .LE, "Caleidars", Explanatory Supplement to the Astronomical Almanac, P.K.Deildman,ed, University Science Books, Mill Valley , Ca, pp. 575-608.

2- Smart, W.M, " Text-Book on Spherical astronomy", Cambridge University press, London, 1962.

3- Notes on time Scales, Astronomical Almanac,





U.S.Govt. Printing office Washington, 2004.

4- Reingoid , E.M and Dershowitz, N, "Calendrical Calculations; Millenium Edition. "Cambridge University" Press. Cambridge , UK, 2001.

5- Chapront-Touze,M. and Chapront, J, "Lunar Tables and Progrems", Willman-Bell, Inc. Virginia, US, 1991.

☆☆

### مقالہ نگاروں کے لیے خصوصی ہدایات واطلاعات

۱۔ مقالات علمی، فکری اور تحقیقی نوعیت کے ہونے چاہئیں۔
۲۔ مقالات فل سکیپ سائز کے اوراق پر کاغذ کے صرف ایک طرف خوشخطی سے لکھے جائیں۔
۳۔ کمپوزڈ مقالے مع سی ڈی کے قابل ترجیح ہوں گے۔
۴۔ بہتر ہوگا کہ مقالے کی اصل کاپی کے ساتھ دو نقول بھی ارسال فرمائیں۔
۵۔ مقالات ریفریز کی مثبت رپورٹ کے بعد شائع کیے جائیں گے۔
۶۔ مقالہ نگار حضرات پہلے سے شائع شدہ مقالات و مضامین ہرگز نہ بھیجیں۔ ورنہ ان کے مضامین کی اشاعت آئندہ کے لیے روک دی جائے گی۔

خصوصی نوٹ:

مجلس تفسیر بعض نامور علماء و مشاہیر اساتذہ کے جو علمی، فکری و تحقیقی مضامین منتخب کر کے شائع کرتی ہے وہ دراصل علمی و دینی خدمت کے پیش نظر ایسا کرتی ہے۔ مجلس التفسیر یہ سمجھتی ہے کہ غیر معیاری مضامین و مقالات سے کہیں زیادہ بہتر ہے کہ پرانے مگر معیاری مضامین شائع کیے جائیں۔ ہمارے اس جذبہ کو ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ (انڈیا) نے اپنی مئی ۲۰۰۵ء کی اشاعت میں سراہا ہے۔ مجلس اس پسندیدگی پر ان کی شکر گزار ہے۔

# ایچ آئی وی ، ایڈز اور ہماری نوجوان نسل

ڈاکٹر تاج محمد
وائٹ ہاؤس گرامر اسکول، گلشن اقبال بلاک نمبر ۲ کراچی

نوجوانوں کو ایچ آئی وی / ایڈز سے بچانے کا معاملہ آج کے دور کا ایک اہم ترین اور سلگتا ہوا بین الاقوامی موضوع ہے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ اس پہلو پر خصوصی توجہ دی جائے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہی کہی جاسکتی ہے کہ آج ہمارے نوجوانوں کی حالت زار نے ان میں اس موذی اور مہلک مرض کے پھیلاؤ کے امکانات کو بہت زیادہ کر دیا ہے۔ نوجوان مستقبل کے معمار ہوتے ہیں۔ مگر نوجوان کہہ کر ہم اپنے معاشرے کا جو طبقہ مراد لیتے ہیں، از روئے شریعت ان کی ذمہ داریاں صرف مستقبل پر ہی موقوف نہیں ہیں۔ یہ لوگ فی الحال بھی اپنی زندگیاں شریعت کے سانچے میں ڈھالنے اور اس کے مطابق بسر کرنے کے اصولی طور پر پابند ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر مسلمہ اصولوں کی روشنی میں ۱۵ سے ۲۴ سال کی عمر کے افراد نوجوان کہلاتے ہیں۔ ۱۵ سال کی عمر سے ہی تخمینی طور پر سن بلوغ شروع ہو جاتا ہے۔ اور یہی وہ حد ہے جسے عبور کرتے ہی شریعت اسلامی کے تحت جملہ انسانی حقوق اور فرائض لازم ہو جاتے ہیں۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اپنی مذہبی، اخلاقی اور سماجی ذمہ داریوں سے بیگانگی اور لاتعلقی کا رجحان بھی سب سے زیادہ اسی طبقے میں پایا جاتا ہے۔

بہر حال ہمیں اس طبقے سے شکوے کم اور ہمدردیاں زیادہ ہیں۔ یہ طبقہ اہل خرد کی توجہ کا سب سے زیادہ حقدار بھی ہے اور طالب بھی۔ نوجوان تو نادان و ناتجربہ کار ہوتے ہیں۔ انہیں مناسب توجہ اور رہنمائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ بقول پروین شاکر

یہ سر اٹھائیں کیا انہیں کسی پہ مان ہی نہیں　　　کسی کا پیار ان کے حوصلوں کی جان ہی نہیں

ہم ان سے شکایت کریں تو کیسے کہ ان کے معاملے میں بڑوں کی بے توجہی اور کسی حد تک لاتعلقی، بے جا تحکم اور ان کو بھی اور اسی وقت اپنے جیسا بنا دینے کے ہمارے شوق نے ایسا بنا دیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انانیت اور باہمی اعتماد کی فضا کو آلودہ کر دینے کے بعد ان نوجوانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینے یا حالات کے حوالے کر دینے اور پلٹ کر نہ دیکھنے کے عمل نے جلتی پر تیل کا کام دے کر





صورتحال کو اور زیادہ خراب کر دیا ہے۔ ان کے بارے میں اپنے ایک دانا کا احساس ملاحظہ کیجئے۔

میرے بیٹے نے آنکھیں اک نئی دنیا میں کھولی ہیں
اسے وہ خواب کیسے دوں؟
جنہیں تعبیر کرنے میں میری یہ عمر گزری ہے
میری تعظیم کی خاطر وہ ان کو لے تو لے شائد
مگر جو زندگی اس کو ملی ہے اس کے دامن میں
ہمارے عہد کی قدریں تو کیا یادیں بھی کم کم ہیں (۱)

آج جب دنیا میں ایچ آئی وی / ایڈز کی بیماری بہت تیزی سے پھیل رہی ہے، ہمارے چمن کا یہ شاداب حصہ بھی اس کی بجلیوں کی زد سے زیادہ دور اور محفوظ نہیں رہا۔ اعداد و شمار کے مطابق اب تک کے اس بیماری سے متاثرہ افراد میں سب سے زیادہ تعداد نوجوانوں ہی کی ہے۔ ایڈز کی روک تھام کے قومی ادارے کی مہیا کردہ معلومات کے مطابق:

مرض کا شکار ہونے والے لوگوں میں آدھی سے زائد تعداد ۱۵ سے ۲۴ سال تک کی عمر کے نوجوانوں کی ہے۔ ہر متاثرہ لڑکے کے مقابلے میں دو لڑکیاں اس وائرس سے متاثر ہیں (۲)

ادھر یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ہمارا ماحولیاتی مزاج اور ہمارے معاشرتی حالات بھی کچھ ایسے ہی ہیں اور بیرونی ثقافتی یلغار کے باعث بہت تیزی سے اس رخ پر جا رہے ہیں کہ اصلاح احوال کی اگر بر وقت اور مناسب تدابیر اختیار نہ کی گئیں تو آئندہ دو دہائیوں کے اختتام تک نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد، خاکم بدہن، کسی نہ کسی طرح اس موذی مرض سے متاثر ہو چکی ہوگی۔ یہ نوجوان ہمارا مستقبل ہیں۔ ہماری ساری امیدیں انہیں سے وابستہ ہیں لہٰذا ہم اپنے ہاتھوں ان کو تاریکیوں کے سپرد کسی طرح نہیں کر سکتے۔

عام طور پر ہم لوگ یہ کہہ کر نوجوانوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ "اپنے کئے کے یہ لوگ خود جوابدار ہیں" اور جیسا کریں گے ویسا ہی بھریں گے وغیرہ وغیرہ۔ اور اس ضمن میں قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے عموماً اپنے موقف پر دلیل بھی پیش کی جاتی ہے:

ولا تزر وازرة وزر اخرى (۳)

ترجمہ: اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اس طرح سے ثابت یہ کیا جاتا ہے کہ ہر کوئی اپنے کئے کا خود ذمہ دار ہے۔ ہمارا اس سے کیا واسطہ کہ کوئی اچھا کرتا ہے یا برا۔ جو کچھ آج بوئے گا کل خود کاٹے گا۔ مگر آیت مبارکہ کے اس حصے کو اس کے سیاق و سباق سے جدا کرنے کے نتیجے میں یہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ پوری آیت مبارکہ ملاحظہ فرمایئے:

من اهتدى فانما يهتدي لنفسه ج ومن ضل فانما يضل عليها ط
ولا تزر وازرة وزر اخرى ط وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا (۴)

ترجمہ: جو کوئی بھی سیدھی راہ چلے گا اپنا ہی بھلا کرے گا اور جو گمراہی کو اختیار کرے گا وہ اس کا وبال اپنے

ہی اوپر لائے گا، کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا، اور ہم جب تک (ہدایت و گمراہی کا فرق سمجھانے سکھانے کے لئے) رسول نہ بھیج لیں کسی پر عذاب لازم نہیں کرتے۔

اس آیت مبارکہ کا نفس مضمون خود بتا رہا ہے کہ آپ ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد لوگوں کو اللہ کی طرف بلانے اور راہ حق پر لانے کیلئے مسلسل اور متواتر جدوجہد فرمائی۔ آپ ﷺ کی جانفشانی کا عالم یہ تھا کہ اس کیفیت کے خصوصی تذکرے کے ساتھ بارگاہ ایزدی سے تحسین و تسلی پر مبنی آیت مبارکہ نازل ہوگئی۔ اور یہ سند بھی مل گئی کہ آپ ﷺ نے تبلیغ حق کا حق پورا پورا ادا کر دیا:

فلعلک باخع نفسک علیٰ آثارھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا (۵)

ترجمہ: تو اگر یہ لوگ اس بات پر ایمان نہ لائے تو آپ ان کی خاطر غم کے مارے شاید ہی جاں سے گزر جائیں گے۔

آپ ﷺ نے تبلیغ حق اور تعمیر انسانیت کے لئے شبانہ روز محنت فرمائی۔ لوگوں کی سیرت و کردار کو نئی اور صالح بنیادوں پر استوار فرمایا۔ اس راہ میں بڑی بڑی مشکلات کا سامنا کیا۔ آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے۔ آوازے کسے گئے۔ راہوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ تبلیغ کا اثر زائل کرنے کے لئے طرح طرح کی سازشیں کی گئیں۔ مگر آپ ﷺ نے گالیاں سن کر بھی دعائیں ہی دیں۔ شرپسند اور اوباش لوگوں نے آپ ﷺ پر ایمان لانے والوں کا جینا دوبھر کر دیا تو ان مومنین کو بھی صبر و حوصلہ کی تلقین فرمائی اور اپنی آغوش رحمت میں پناہ دیے رکھی۔ آپ ﷺ کے عہد کے حالات و واقعات پر ایک نظر ڈال کر ایک عام سمجھ بوجھ کا حامل شخص بھی بآسانی اندازہ کر سکتا ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے اپنی مساعی جمیلہ سے حجت تمام کر دی تھی۔ جب بارگاہ ایزدی سے بھی آپ ﷺ کی کاوشوں کو قبول و تحسین کی سند مل گئی تو پھر بھی جو شخص اپنی غلط کاریوں سے باز نہ آیا وہ تو اپنے کئے کا یقیناً خود ذمہ دار ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل آیت مبارکہ ایک رہنما اصول مہیا کرتی ہے:

لا اکراہ فی الدین قف قد تبین الرشد من الغی ج فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن م باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ ق لا انفصام لھا ط

واللہ سمیع علیم (۶)

ترجمہ: دین کے معاملے میں زور زبردستی بیکار ہے۔ راہ حق، گمراہی سے ممتاز ہوگئی ہے۔ تو جو کوئی بھی طاغوت کا انکار کرتا اور اللہ پر ایمان لاتا ہے تو یقیناً وہ ایسے مضبوط حلقے سے وابستہ ہو جاتا ہے، جس کے ٹوٹ جانے کا تصور بھی باطل ہے، اور اللہ تعالیٰ تو خوب سننے جاننے والا ہے۔

اسی طرح یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ حسب ذیل فرمان، اعلان نبوت کی اگلی ہی صبح نازل نہیں فرما دیا گیا تھا کہ

وان تولوا فانما علیک البلاغ (۷)

ترجمہ: اور اگر ان لوگوں نے (پھر بھی) منہ موڑ لیا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام رسانی ہی ہے۔

اسی قبیل سے ہے یہ اعلان بھی کہ





اتبع ما اوحی الیک من ربک ج لا الہ الا ھو ج

واعرض عن المشرکین (۸)

ترجمہ: جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے اسی کی پیروی کرتے رہیے، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور مشرکین سے اعراض کیجئے۔

بلکہ ان اعلانات کے پیچھے آپ ﷺ کی برسوں کی محنت شاقہ کارفرما تھی۔ جب آپ ﷺ نے ہر ہر پہلو سے حق کو واضح فرما دیا، حق اور باطل کے درمیان ایک روشن حد فاصل قائم ہوگئی، اور حجت تمام ہوگئی تو پھر جا کر یہ اعلانات منظر عام پر لائے گئے۔ لہٰذا از راہ نیابت ہم بھی جب تک نوجوانوں کے معاملے میں اپنی پیغمبرانہ ذمہ داریاں احسن طریقے پر پوری نہیں کر لیتے، ہمارے لئے گلوخلاصی کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے۔ بات بات سے بیزاری کا ٹپکنا اور ذرا ذرا سی باتوں پر ان سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرنا محض ایک بے تکی سی حرکت ہے اور کچھ نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

الا کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته فالامیر الذی علی الناس راع وھو مسئول عن رعیته والرجل راع علی اھل بیته وھو مسئول عنھم والمرأۃ راعیة علی بیت بعلھا وولدہ وھی مسئولة عنھم والعبد راع علی مال سیدہ وھو مسئول عنه الافکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته (۹)

ترجمہ: خبردار! تم میں سے ہر کوئی، ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر ایک سے اس کے ریوڑ یعنی ماتحت افراد کے معاملے میں باز پرس ہوگی۔ یوں ایک حکمران اپنی رعایا کا ذمہ دار اور ان کی طرف سے جواب دہ ہوگا۔ مرد اپنے اہل خانہ کے معاملے میں ذمہ دار اور ان کی طرف سے جواب دہ ہوگا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچوں کے معاملے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہوگی۔ ایک خادم اپنے آقا کے مال کے معاملے میں ذمہ دار اور جواب دہ ہوگا۔ اس لئے خبردار! تم میں سے ہر کوئی، ایک چرواہے کی مانند ہے اور ہر ایک سے اس کے ماتحت افراد کے معاملے میں باز پرس ہوگی۔

اس حدیث پاک سے مسلم معاشرت اور نظم اجتماعی کی ایک شاندار روایت میسر آتی ہے۔ ہر بڑا اپنے چھوٹوں کے معاملے میں بارگاہ ایزدی میں جوابدہ قرار پاتا ہے۔ اور اس بات کا پابند ہو جاتا ہے کہ معاشرتی اقدار کا بار امانت احسن طریقے پر نئی اور نوخیز نسل کو منتقل کرے۔ جو قومیں اپنی نئی اور آئندہ نسلوں کا مستقبل بھی ہمیشہ اپنی نگاہوں میں رکھتی ہیں وہی تعمیر و ترقی کی منازل بھی طے کرتی ہیں اور طویل عرصے تک زندہ بھی رہتی ہیں۔ پھر جب ان کا دھیان ادھر ادھر ہو جاتا ہے تو وہ خود بھی وقت کے ساتھ ساتھ ادھر ادھر ہو جایا کرتی ہیں۔ ایسی قومیں اپنے نوجوانوں کو زمانے کی سختیوں سے بچانا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔ بالخصوص ماں باپ تو اپنے بچوں کے آگے ڈھال بن کر ان کو حوادث زمانہ سے محفوظ رکھا کرتے ہیں۔ نوجوانوں کو ایڈز کی اس آگ سے دور اور محفوظ رکھنا یوں تو ایک ذمہ دار اور شعور و ادراک رکھنے والے ہر شہری کا فرض ہے۔ مگر ایک مثالی فلاحی معاشرے کے قیام کیلئے تو نوجوانوں کی اصلاح و فلاح اور ان کی کردار سازی کی بنیادی ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے۔

اپنی اولاد کی اچھی تربیت اور ان کو راہ راست پر رکھنا ماں باپ کے حق میں فرض عین کا درجہ رکھتا ہے۔ ہر مہذب معاشرے میں اس فرض کو ایک بنیادی اور مسلمہ عقیدے کا درجہ حاصل ہے۔ ماں باپ کی اس ضمن میں کارکردگی پر خاندان کے بڑے بوڑھے اور بزرگ، جو جہاں دیدہ اور تجربہ کار بھی ہوتے ہیں، گہری نظر رکھتے اور بوقت ضرورت مناسب رہنمائی بھی مہیا کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح معاشرتی ترقی کا سفر بھی جاری رہتا ہے اور سماجی اقدار بھی زیادہ متاثر نہیں ہوتیں۔ اگر ہمارے یہاں کے والدین اور خاندانی بزرگ بھی اپنی اپنی سماجی ذمہ داریوں کا پاس کرنے اور لحاظ رکھنے لگ جائیں تو آج ہمارے سامنے یہ بے تحاشا مسائل کے جو انبار لگے ہیں، محض چند برسوں میں یہ صابن کی جھاگ کی طرح بیٹھتے نظر آئیں گے۔ مگر ہمارے ماحول و معاشرے میں اکثریت اپنی ذمہ داریاں پوری کرتی نظر نہیں آتی یا کسی وجہ سے پوری نہیں کرپاتی۔ یہ کمزوری ہماری بے شمار معاشرتی برائیوں اور خرابیوں کی اصل جڑ ہے۔ ایک طرف زمانہ اپنی رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے۔ نت نئی ایجادات منظر عام پر آرہی ہیں۔ فحاشی و عریانی کا ایک سیلاب سامنے آیا ہے۔ دوسرے ہاتھ پر والدین اپنے بچوں کی سرگرمیوں سے غافل یا بے نیاز۔ سارا سارا دن گھر سے باہر آوارہ گھومنا ہمارے نوجوانوں کی عادت سی بنتی جارہی ہے۔ ذہن نکما اور خالی ہو تو فارسی کی یہ کہاوت صادق آتی ہے کہ "خانہ خالی را دیوی گیرد" یعنی گھر خالی رہے تو اس پر جن قابض ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے سونے جاگنے کے اوقات بھی کسی قاعدے قانون یا فطرت سے ہم آہنگ نہیں رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وجعلنا النوم سباتا ، وجعلنا الیل لباسا وجعلنا النہار معاشا (۱۰)

ترجمہ: ہم نے نیند کو سکون آور رات کو پردہ پوش اور دن کو ہم نے معاش کے لئے بنایا ہے۔

مگر دن کو دیر تک سوئے رہنے کے نتیجے میں اگلی رات دیر تک نیند ہی نہیں آتی۔ کئی جگہ تو ماں باپ بھی انہیں دروازے سے باہر نکال کر خود سو جاتے ہیں۔ اور نوجوانوں کی ٹولیاں رات گئے تک گلی کی نکڑ پہ بیٹھی آزاوانہ گپیں ہانکتی رہتی ہیں۔ یہ سرگرمیاں ان علاقوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں جہاں کے لوگ زیادہ خوش حال اور آسودہ نہیں ہیں۔ اور جہاں کے نوجوانوں کا فارغ وقت کسب معاش میں لگنا چاہیے۔ والدین اور خاندانی بزرگوں کی زندگی کا لازمی فریضہ اور بنیادی وظیفہ ان نوجوانوں کی پرورش اور مناسب تربیت ہے۔ یہ بچے اپنے گھریلو حالات اور خاندانی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کا چلتا پھرتا تعارف ہوتے ہیں۔ ان پر وہی عکس ابھرتا ہے جو ان کے پس منظر میں موجود ہوتا ہے۔ جملہ سماجی قوتوں میں سے والدین اور ان کے خاندان سے تعلق رکھنے والے بڑے بوڑھے جس بہتر انداز سے نوجوانوں پر اثر انداز ہوسکتے ہیں اور انہیں سدھار کر راہ حق پر لاسکتے ہیں، کسی اور کے لئے ایسا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ان کے لئے تو یہ بھی دشوار نہیں کہ اپنے اور معاملات و معمولات حیات کو بھی حسب معمول جاری و ساری رکھتے ہوئے ان پر بھی نگاہ رکھ لیں۔ جبکہ دیگر افراد یا اداروں کو وقت اور سرمائے کے بے تحاشا استعمال سے بھی یہ مقاصد پوری طرح حاصل نہیں ہوسکتے۔ حضور رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

ما نحل والد ولدامن نحل افضل من ادب حسن (۱۱)

ترجمہ: کوئی باپ کسی بچے کو اچھی تربیت سے بہتر کوئی عطیہ نہیں دے سکتا۔





والدین اور خاندانی بزرگوں کی ذمہ داریاں یوں بھی کئی چند ہیں کہ بچہ جس حالت میں ان کو عطا ہوا وہ مکمل معصومیت کی حالت تھی۔ اس کا سچھ کردار و عمل بالکل صاف اور شفاف تھا۔ الہامی ہدایت کے ضابطوں کی موجودگی کے ساتھ ساتھ صحیح اور غلط راہوں کی تشخیص و تعین کے لئے انہیں قدرت نے عقل سلیم کی نعمت بھی عطا کی۔ پھر ایک ننھی منی سی جان ان کے سپرد کر کے اس کی تعمیر و تربیت کرنے اور اس پر اثر انداز ہو کر اس کو اپنی مرضی کے سانچوں میں ڈھالنے کی مکمل آزادی بھی عطا کی ہے۔ تو انہیں یہ سوچنا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو کیا اور کیسا بنا رہے ہیں؟ اور ایک مسلمان ہونے کے ناطے انہیں ان کو کیسا بنانا چاہیے؟ یہ وہ ذمہ داری ہے کہ کسی ماں یا باپ کے لئے اس سے فرار اور روگردانی ممکن نہیں ہے۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

کل مولود یولد علیٰ الفطرۃ فابواہ یہودانہ اوینصرانہ اور یمجاسنہ (۱۲)

ترجمہ: ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔

اور جو کچھ بھی بناتے ہیں اپنے لئے ہی بناتے ہیں۔ اور اپنا ایک مجسم تعارف چھوڑ کر اس دنیا سے رخصت ہوتے ہیں۔ اچھی اور بہترین تعلیم و تربیت سے آراستہ اولاد چھوڑ کر جاتے ہیں تو ان کے لئے ایک صدقۂ جاریہ ہے۔ اور اگر خدانخواستہ بری اور بدتہذیب اولاد چھوڑ کر چلے گئے تو معاشرے کو تو صدمہ پہنچے گا ہی، خود ان کے اعمال نامے کی سیاہی بھی بڑھتی ہی چلی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تبارك الذی بیدہ الملک ز وھو علیٰ کل شیء قدیر ۝ الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم أیکم احسن عملا ط وھوا العزیز الغفور (۱۳)

ترجمہ: بہت برکتوں والی ہے وہ ذات کہ جس کے قبضہ میں پوری کائنات کی مملکت ہے، اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔ وہی ذات جس نے موت اور حیات کا نظام وضع ہی اس لئے فرمایا تاکہ تمہارا امتحان لے کہ تم میں سے کون بہتر کارکردگی دکھاتا ہے، اور وہ بہت ہی مقتدر اور بخشنے والا ہے۔

جس طرح اور ذی روح فانی ہیں اور ایک نہ ایک دن موت نے ان کو پچھاڑ دینا ہے اسی طرح ہم کو بھی اس مرحلے سے بہر حال گزرنا ہے۔ قدرت کا بنایا ہوا یہ قانون اٹل ہے:

کل نفس ذائقۃ الموت ط وانما توفون اجورکم یوم القیٰمۃ ط فمن زحزح عن النار و أدخل الجنۃ فقد فاز ط وما الحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور (۱۴)

ترجمہ: ہر نفس نے موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تمہیں قیامت کے روز پورا بدلہ دیا جائے گا۔ صرف تمہارے کئے کا ہی۔ تو جسے آگ سے بچا کر جنت میں داخل کر دیا گیا، وہی کامیاب ہے، اور دنیاوی ساز و سامان تو محض ایک فریب ہے نظر کا۔